فہمِ قرآن کورس

سلسلہ 1 عَمَّ (پارہ 30)

معلم
فضیلۃ الشیخ ابونعمان بشیر احمد حفظہ اللہ

سبق 10

تعارف

سُوۡرَۃُ الۡبَلَدِ

سورت کا تعارف

1. اس سورت کا نام پہلی آیت کے لفظ ''الۡبَلَد'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے اسے ''مکی'' سورت کہا جاتا ہے۔
2. اس سورت میں ایک رکوع، 20 آیات، 82 کلمات، اور 347 حروف ہیں۔
3. قرآنی ترتیب میں اس سورت کا نمبر 90 اور نزول نمبر 35 ہے۔
4. **ربط:** گزشتہ ''سورۃ الفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھا کر سورت کے مضمون کو پختہ کیا اور چند طاقتور قوموں کی ہلاکت کا ذکر کیا تھا تو اس سورت میں بھی چند چیزوں کی قسم کھا کر اپنی سخت گرفت سے ڈرایا ہے۔ جس طرح گزشتہ سورت میں دارین کی فلاح کے چند کام بتلائے گئے تھے اسی طرح اس سورت میں بھی ایسے اصول بتلائے گئے ہیں جن پر عمل کر کے پُرسکون زندگی اور دارین کی کامیابی یقینی بنائی جا سکتی ہے، اور جس طرح گزشتہ سورت کے آخر میں خوش بخت اور بد بخت انسانوں کا تذکرہ کیا گیا تھا اسی طرح اس سورت کے آخر میں بھی فریقین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
5. **خلاصۂ سورت:** اس سورت میں قسمیں کھا کر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ دنیا دل لگا کر آرام سے بیٹھے رہنے کا گھر نہیں ہے اور نہ یہ انسان کی آخری منزل ہے بلکہ آزمائشوں کا گھر ہے۔ جو اس کی رنگ رنگینیوں میں کھو گیا، وقتی لذتوں کے حصول کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور یہ گمان کر بیٹھا کہ میری جان و مال میرے اختیار میں ہے جیسے چاہوں استعمال کروں، مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے یہ انسان کی خام خیالی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ، زبان اور دل و دماغ دیا ہے جس سے اچھائی اور برائی میں فرق کر سکتا ہے۔ اور پھر اچھی معاشرت کے چند اصول بھی بتلا دیئے اب انسان کی مرضی ہے کہ بہتر مستقبل بنا لے یا تباہی مول لے لے۔

آیات کا لفظی و با محاورہ ترجمہ

اٰیاتھا ۲۰ | ۹۰ سُوۡرَۃُ الۡبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ | رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ۱ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ ۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَۙ ۳ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡ كَبَدٍؕ ۴

میں قسم کھاتا ہوں	اس شہر کی	اور آپ	رہنے والے ہیں	اس شہر میں	اور (قسم ہے) والد کی	اور جو	اس نے جنا	البتہ تحقیق	ہم نے پیدا کیا	انسان	بڑی مشقت میں

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں! اور تو اس شہر میں رہنے والا ہے اور جننے والے کی قسم! اور اس کی جو اس نے جنا! بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے

اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ يَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ اَحَدٌ ۵ يَقُوۡلُ اَهۡلَكۡتُ مَالًا لُّبَدًاؕ ۶ اَيَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ يَرَهٗۤ اَحَدٌؕ ۷

کیا وہ خیال کرتا ہے	یہ کہ	ہرگز نہیں قادر ہوگا	اس پر	کوئی بھی	وہ کہتا ہے	میں نے برباد کر ڈالا	مال بہت زیادہ	کیا وہ سمجھتا ہے	یہ کہ	نہیں دیکھا اس کو کسی نے بھی؟

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہیں ہوگا؟ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال لٹا دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ۖ﴿۱۱﴾

کیانہیں	ہم نے بنائیں	اس کیلئے	دوآنکھیں	اورایک زبان	اوردوہونٹ؟	اورراہنمائی کی ہم نے اس کی	دوریشوں (کی طرف)	پھرنہیں وہ داخل ہوا	مشکل گھاٹی میں

کیا ہم نے اس کے اور ایک زبان اور دوہونٹ؟ اور ہم نے اسے دو واضح رستے دکھا دیئے۔ پھر(بھی وہ مشکل گھاٹی میں نہ داخل ہوا

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾

اورکس چیزنے	تجھے معلوم کروایا	کیاہے وہ گھاٹی؟	(وہ) چھڑانا ہے	گردن کا	یا	کھاناکھلاناہے	ایسے دن میں	جوبھوک والاہے	کسی یتیم	قرابت دارکو

اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ مشکل گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن چھڑانا ہے ۔ یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلانا ہے کسی قرابت والے یتیم کو

اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾

یا	مسکین	مٹی میں ملے ہوئے کو	پھر	ہووہ	ان لوگوں میں سے	جوایمان لائے	اوروصیت کی انہوں نے ایک دوسرے کو	صبرکرنے کی	اوروصیت کی ایک دوسرے کو	رحم کرنے کی

یا خاک نشین مسکین کو ۔ پھر (یہ کہ) ہو وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی

اُولٰٓىِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

یہی لوگ	دائیں (ہاتھ) والے ہیں	اورجنہوں نے	کفرکیا انہوں نے	ہماری آیتوں کے ساتھ	وہ	بائیں (ہاتھ) والے ہیں	ان پر	آگ (ہوگی)	(ہرطرف سے) بندکی ہوئی

یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں ہاتھ والے ہیں ان پر (ہر طرف سے) آگ بند کی ہوئی ہوگی۔

اردومیں مستعمل قرآنی الفاظ

الۡبَلَد	بلدیہ کمیٹی،طول بلد،بلدیاتی،بلا دمغرب
وَالِدٍ	والد،والدین
وَلَدَ	ولادت،ولد،ولدیت،اولاد
يَّقۡدِرَ	قادروقدیر،قدرت،اہل اقتدار،برسرِاقتدار،مقتدرِاعلیٰ،قدرومنزلت
اَحَدٌ	احد،واحد،توحید،وحدانیت
يَقُوۡلُ	قول،اقوال،مقولہ،اقوال زرّیں
اَهۡلَكۡتُ	ہلاک،ہلاکت،ہلاکت خیز،ہلاکتیں
عَيۡنَيۡنِ	عینی شاہد،معائینہ،عین الیقین
لِسَانًا	لسان،ماہرلسانیات،لسانی تعصب
شَفَتَيۡنِ	شفت،شفوی امتحان
هَدَيۡنٰهُ	ہدایت،ہدایت نامہ،ہادی،ہدایہ،ہدایات

اِطۡعٰمٌ	دعوت طعام،وقت طعام،قیام وطعام
ذِىۡ	ذی شعور،ذی شان،ذی وقار
يَّتِيۡمًا	یتیم،یتیم خانہ،یتامیٰ،یتیموں
مَقۡرَبَةٍ	قرابت دار،قرابت داری،قربِ الٰہی،قریب،اقرباء
مَتۡرَبَةٍ	تراب،تربت(مٹی)
تَوَاصَوۡا	وصیت،وصیت نامہ،وصایا،وصی
بِالۡمَرۡحَمَةِ	رحم،رحمت،ترحّم،ازراہ ترحم،رحمت الٰہی،رحم وکرم
اَصۡحٰبُ	اصحاب خیر،صحابہ کرام،اصحاب صفہ
كَفَرُوۡا	کفر،کافر،کفار،کفران نعمت
الۡمَشۡـَٔمَةِ	شومئی قسمت
نَارٌ	نوری وناری مخلوق

مختصر گرائمر ولغت

لَآ أُقْسِمُ	واحد متکلم، مضارع معلوم، مصدر ''إِقْسَامٌ'' (قسم کھانا) شروع میں ''لا'' زائد ہے
خَلَقْنَا	جمع متکلم، ماضی معلوم، مصدر ''خَلْقٌ'' (پیدا کرنا)
أَيَحْسَبُ	واحد مذکر غائب، مضارع معلوم، مصدر ''حَسْبٌ'' (گمان کرنا) شروع میں ھمزہ استفہام کیلئے ہے۔
يَقْدِرَ	واحد مذکر غائب، مضارع معلوم، مصدر ''قَدْرٌ'' (قدرت پانا)
لَمْ يَرَهٗٓ	واحد مذکر غائب، مضارع جحد معلوم، مصدر ''رُؤْيَةٌ'' (دیکھنا)
هَدَيْنٰهُ	جمع متکلم، ماضی معلوم، مصدر ''هِدَايَةٌ'' (ہدایت دینا) آخر میں ''هُ'' ضمیر مفعول بہ ہے۔

اِقْتَحَمَ	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''اِقْتِحَامٌ'' (داخل ہونا)
أَدْرٰىكَ	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''إِدْرَآءٌ'' (خبر دینا) آخر میں ''كَ'' ضمیر مفعول بہ ہے۔
تَوَاصَوْا	جمع مذکر غائب، مضارع معلوم، مصدر ''تَوَاصِيٌ'' (ایک دوسرے کو وصیت کرنا)
كَفَرُوْا	جمع مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''كُفْرٌ'' (انکار کرنا)
مُّؤْصَدَةٌ	واحد مؤنث، اسم مفعول، مصدر ''إِيْصَادٌ'' (بند کرنا)

تفسیر وتشریح:

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①

اس آیت کریمہ کے شروع میں ''لَآ'' کے بارے میں اہل علم کے دو نظریئے ہیں:

یہ ''لَآ'' زائدہ ہے اور کلام عرب میں اس کی کثرت سے مثالیں پائی جاتی ہیں، زائدہ سے مراد بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عربی گرائمر کی ترکیب میں مستعمل نہیں ہے اور معنوی اعتبار سے اگر اس کو کلام سے حذف کر دیا جائے تو معنی میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔ ورنہ حرف زائد حُسن کلام کا ضرور فائدہ دیتا ہے۔

قسم سے پہلے ''لَآ'' زائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے ان لوگوں کی غلط فکر اور لا یعنی باتوں کی نفی کی گئی ہے جو قسم کے بعد آنے والی باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (جن کی وضاحت آرہی ہے)۔

امن وامان والا شہر:

اس آیت میں ''الْبَلَدِ'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جیسے سورۃ التین میں فرمایا:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ

کائنات ارضی میں مکہ مکرمہ وہ شہر ہے جس کی عظمت وشرف اور امن وامان کا گہوارہ ہونے کو زمانہ جاہلیت کے کافر بھی تسلیم کرتے تھے۔ کیونکہ اس شہر میں اللہ تعالیٰ کا گھر کعبہ ہے جو سب سے پہلے عبادت الٰہی کے لیے بنایا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا [آل عمران: 96]

''یقیناً سب سے پہلا بابرکت گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے۔''

جس کی بے پناہ برکتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز کا اجر وثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ، حدیث: 1406)

اس کے بانی سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے شعائر ہیں، جیسے حجر اسود، مقام ابراہیم، صفاومروہ، زمزم، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، آغاز نزول قرآن، بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس شہر کے امن وامان والا ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں اس میں شکار کرنا بلکہ شکار کو بھگانا منع ہے اور کانٹے دار درخت کو اکھاڑنا منع ہے۔ اس قدر عظمت وشرف والے شہر کی قسم اٹھا کر جو بات کہی گئی ہے وہ یقیناً بہت اہم اور حقیقت پر مبنی ہوگی۔

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ②

لفظ ''حِلٌّ'' کئی معانی کا احتمال رکھتا ہے۔

① یہ لفظ ''حُلُوْلٌ'' سے مشتق ہو تو اس کا معنی کسی جگہ اترنے یا قیام پذیر ہونے کا ہوتا ہے، یعنی مکہ مکرمہ پہلے ہی بہت عظمت وشان والا شہر ہے، پھر خاتم الانبیاء والرسل محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شہر میں نزول فرمانے سے اس کی عظمت کو مزید چار چاند لگ گئے ہیں۔

② یہ لفظ ''حِلٌّ'' سے مشتق ہو اور مُستَحَلٌّ کے معنی میں ہو یعنی حلال سمجھے گئے۔ مطلب یہ ہوگا کہ مکہ شہر روزِ اول سے حرمت والا قرار دیا گیا ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی اس میں کسی کو اذیت دینا جائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود مشرکین وکافرین کی ہٹ دھرمی کا اندازہ لگائیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن بن گئے۔ اور آپ کو اذیت دینا بلکہ قتل کرنے کو جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ آپ کے دست مبارک سے کسی حیوان تک کو کبھی تکلیف نہیں پہنچی اور انہی کی طرف سے صادق وامین کا لقب مل چکا ہے۔

③ یہ لفظ ''حِلٌّ'' سے مشتق ہو اور مُستَحِلٌّ کے معنی میں ہو یعنی حلال سمجھنے والے۔ مطلب یہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ ہمیشہ سے حرمت والا شہر رہا ہے جس میں قتال منع ہے لیکن مستقبل قریب میں آپ کو کچھ دیر کے لیے قتال کی اجازت دی جائے گی تاکہ اس پاک شہر کو پلید لوگوں سے پاک کر دیا جائے۔ چنانچہ آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کو کچھ دیر کے لیے قتال کی اجازت دے دی گئی تھی۔ (دیکھیے: بخاری: 3198)

''بِهٰذَا الْبَلَدِ'' کے لفظ کو تکرار سے لایا گیا ہے تاکہ یہ خبر دلوں میں راسخ ہو جائے کیونکہ اس سورت کے نزول کے وقت مکہ کا فتح ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تسلط ہونا بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا تھا لیکن چند سالوں میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور جس مکہ سے آپ چھپ چھپا کر نکلے تھے اُسی پر آپ کی حکومت قائم ہوئی۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③

اس آیت میں ''وَالِدٍ'' اور ''وَلَدَ'' کی قسم کھائی گئی ہے ان سے کون مراد ہیں، اس

بارے میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

امام مجاہد، قتادہ، سفیان ثوری، حسن بصری اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ نے ''وَالِدٍ'' سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام اور ''وَلَدَ'' سے ان کی تمام اولاد مراد لی ہے۔(تفسیر القرطبی 61/20 ، تفسیر الطبری 245/30 ، الدر المنثور 593/6)

ابوعمران جونی رحمہ اللہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد لی ہے۔ (تفسیر الطبری 246/30 ، تفسیر ابن ابی حاتم 3433/10)

حافظ ابن جریر طبری نے اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد لی ہے۔(تفسیر الطبری 246/30)

اللہ تعالی نے عام لفظ استعمال کیئے ہیں، اس لیے عموم مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ اس جگہ والد اور اس کی ذریت کو بعد میں آنے والی بات پر بطور شہادت ذکر کیا گیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾

یہ گزشتہ قسموں کا جواب قسم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اگر یہ سمجھے کہ میں دنیا میں عیش و آرام کے لیے آیا ہوں تو اس کا خیال غلط ہے۔ اس حقیقت کا یقین دلانے کے لیے پہلی قسم شہر مکہ کی کھائی، جو اس دعوے کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اس شہر کی ابتداء ہی بڑی مشقت سے ہوئی ہے خشک اور گرم پہاڑوں کے دامن میں مکہ کی وادی ہے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا انسان تو انسان کسی پرندے کا نظر آنا بھی دشوار تھا۔ سیدنا ابراہیم، اسماعیل اور ہاجرہ علیہم السلام نے ایسے عالم میں بنیاد رکھی اور تاریخ کے کئی ادوار گزرنے کے بعد، یتیمی و بے سروسامان میں رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت اس شہر میں ہوئی۔ پھر نبوت ملنے پر قوم کی عداوت و دشمنی کی طنابیں جو زآء کے شانوں پر تن گئیں۔ پھر شعب ابی طالب کا قیام ، ہجرت، جنگوں کا طویل سلسلہ اور پریشانیوں کا لامتناہی سلسلہ کو عبور کرنا۔۔۔ یہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ انسان یقیناً مشقت در مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔

اس کے جننے والے ماں باپ اور جنم دیئے ہوئے بچے کی قسم ہے۔ والدین کو اولاد کے حصول سے لے کر بچے کی پیدائش تک اور پیدائش کے بعد بچپن، لڑکپن اور جوانی تک کتنے مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان کی زندگی مشقتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ مشقتوں کا سلسلہ موت کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتا بلکہ قبر، حشر اور بعد تک جاری رہتا ہے۔ البتہ صالح زندگی بسر کرنے والوں کی دوسری زندگی پُر سکون ہوگی، جس کا تذکرہ سورت کے آخر میں فرمادیا گیا ہے۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾

اس آیت کریمہ میں انسان کو اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر انسان امن و سکون اور ہمہ وقت صحت و خوشحالی کی تمنا اور کوشش کے باوجود دلی مرادیں پوری نہیں کرسکتا بلکہ ہمیشہ مشقت و پریشانی کی زندگی سے گزرتا رہتا ہے۔ تو پھر یہ یقین کیوں نہیں کرتا کہ اس کے اوپر کوئی ایسی ذات ہے جس کی مشیئت کے یہ تابع ہے۔ اور اس ذات کو راضی کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا؟

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾

کسی انسان کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ کار نہیں ہے کہ اس کو صحت، عزت، دولت اور دیگر انعامات اللہ تعالی نے عطا کیے ہیں۔ تو چاہیے تھا کہ ان انعامات الٰہی کو اس کی رضامندی والے کاموں میں استعمال کرتا اور پُرسکون و کامیاب زندگی پاتا، لیکن اس کی سوچ کا زاویہ ٹیڑھا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے عطیات کو ممنوع و حرام کاموں میں استعمال کرنا شروع کردیا اور اس پر تکبر و فخر کرنا شروع کردیا، جیسے شادی کے موقع پر لاکھوں روپیہ فضولیات اور حرام کاموں میں اڑا دیا، کسی کی عزت و وقار کو پامال کرنے کے لیے ناجائز کیس کرادیا، جادو ٹونے پر ہزاروں روپیہ لگا کر کسی کو اذیت میں مبتلا کردیا اور پھر فخر سے مجالس میں اپنے ایسے بدکارنامے لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾

کیا ایسا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا بیہودہ کاموں میں دولت لٹانے کو کسی ذات نے دیکھا ہی نہیں؟ کیوں نہیں، ہر انسان کی تمام حرکات و سکنات کو کوئی ذات نوٹ کررہی ہے۔ اس سے ایک ایک سانس اور ایک ایک پیسے کا حساب ہوگا، جب تک جواب نہ دے گا اس وقت تک عدالت الٰہی سے قدم کو جنبش بھی نہ دے سکے گا۔ اور اس دن تمام اعمال کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾

بعض انسان اپنی غفلت اور جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اپنے جسم، زندگی اور مال کے خود مختار ہیں جیسے چاہیں انہیں استعمال میں لائیں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالی نے ان تین نعمتوں (دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹوں) کا ذکر کیا جو ہر انسان کے جسم میں خاص تکنیک سے سیٹ کردی ہیں، ان نعمتوں پر غور کرنے سے ذات الٰہی کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارا کار نہیں رہتا۔

قدرتِ الٰہی کے عظیم شاہکار:

ماہرین کی تحقیق کے مطابق انسان کی آنکھ میں 13 کروڑ نیورو فیبرکس (Nerver Fibres) ہوتے ہیں۔ ایک سیکنڈ میں ہزاروں تصویروں کا مجموعہ دماغ کو بھیجتے ہیں۔ اور آنکھ کی نازک پتلی کی حفاظت کے لیے پلکوں کو بطور وائپر لگا دیا ہے جو ہمہ وقت گرد و غبار سے صاف رکھتے ہیں اور معمولی خطرہ پر خود بخود بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔۔۔ الغرض آنکھ ایک نعمت ہے جس سے لاکھوں اشیاء دیکھتے ہیں۔ کیا جس ذات نے دیکھنے کے لیے آنکھ جیسی نعمت عطا کی ہے وہ خود انسان کے حالات دیکھنے سے کیا قاصر ہے؟

دوسری عظیم نعمت زبان کا ذکر فرمایا ہے۔ زبان بغیر ہڈی کے گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس میں بیک وقت بولنے، چکھنے اور نگلنے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ انسانی زبان میں دس ہزار خانے ہوتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک الگ تار کے ساتھ دماغ سے جڑا ہوتا ہے اور دماغ کو ذائقوں کی ہزاروں انواع کی اطلاع بھیجتا ہے۔ اور دماغ فوراً فیصلہ کرکے نگلنے یا اُگلنے کا حکم جاری کرتا ہے۔ اور زبان کی جنبش سے ہزاروں الفاظ مختلف آوازوں سے ادا ہوتے ہیں اور ایک سیکنڈ میں بے شمار الفاظ ادا ہوتے جاتے ہیں۔ کیا یہ حیرت انگیز کام خود بخود ہورہا ہے؟ اگر خود بخود ہورہا ہے تو ہزاروں گونگے زبان ہونے کے باوجود کلام کیوں نہیں کرلیتے؟

پھر زبان کی حفاظت کے لیے **32** مضبوط دانتوں کو فوجی دستے کی طرح محافظ بنادیا اور منہ کے دروازے پر دو مضبوط کواڑ (ہونٹ) لگادیئے تاکہ زبان سے اذیت والی بات نہ نکلے لیکن اکثر کی زبانیں تمام حدود کو پھاند کر پورے جسم کی شامت کو لازم کردیتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا بندہ ایک بول بولتا ہے جس کی اس کے ہاں زیادہ اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کردیتا ہے۔ اور (کبھی) اس کی ناراضی کا ایسا لفظ زبان سے نکالتا ہے وہ اس کو معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔ (بخاری، حدیث: 4813)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ (بخاری، حدیث: 6474)

’’جو مجھے دونوں جبڑوں کے درمیان اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز کی ضمانت دے تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔‘‘

تیسری بڑی نعمت ہونٹوں کا ذکر فرمایا۔ زبان کی طرح ہونٹ بھی بولنے اور کھانے پینے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ہونٹ نہ ہوں تو انسان کی شکل کا تمام حُسن مکدر ہو کر رہ جائے اور انسان کی کلام کرنے کی گرفت انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ایسے الفاظ ادا ہو جائیں جو چاہت والے نہ ہوں۔ اور پیتے وقت ایک حصہ حلق میں جائے اور دو حصے گریباں کو مکدر کریں۔

ان تین نعمتوں کا ذکر کرکے باقی بے شمار نعمتوں کی طرف توجہ کو مبذول کرا دیا کہ جس ذات نے یہ حیران کن انعامات سے تجھے نواز دیا، کیا وہ ان کو واپس لینے کی قدرت نہیں رکھتا؟ اگر نہیں یقین تو کبھی کسی ہسپتال میں جا کر دیکھو کتنے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو واپس چھین لیا اب وہ اپاہج زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور قدم قدم پر دوسروں کے محتاج بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہ دنیا میں اپنے فضل وکرم سے درگزر فرما دے تو آخرت میں اس کی پکڑ سے کیسے بچ سکو گے؟

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾

نَجد کی جمع ’’نُجُودٌ‘‘ آتی ہے جس کا معنی سخت اور بلند جگہ ہے۔ اور ’’النَّجْدَيْنِ‘‘ کا معنی ہے دو سخت اور بلند جگہ۔ اس کے مفسرین نے دو مفہوم بیان کیے ہیں:

① سیدنا علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس سے خیر اور شر کے دونوں راستے مراد لیے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر 509/6، تفسیر الطبری 250/30)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بصارت کے لیے دو آنکھیں دی ہیں جن کو کھول کر چلنے سے انسان ٹھوکریں کھانے اور کھڈے میں گرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اس طرح روحانی راہنمائی کے لیے ان کے اندر بصیرت رکھ دی ہے۔ جس کے ذریعے انسان خیر وشر اور جنت وجہنم کے راستے کو پہچان سکتا ہے۔ اگر ظاہری آنکھوں کو بند کرکے چلے گا تو تباہی میں واقع ہو جائے گا۔ اس طرح باطنی آنکھیں بند کرکے چلے گا تو ہمیشہ کی ہلاکت والی جگہ جہنم میں جا گرے گا۔ جیسے فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر: 3)

’’ہم نے اسے راستے کی راہنمائی کر دی ہے (اب) چاہے شکر گزار ہو جائے یا ناشکرا بن جائے۔‘‘

اگر کسی بدبخت انسان نے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرتے ہوئے بے تحاشا مال لٹا دیا ہے تو اس نے یہ گمان کیسے کر لیا کہ اسے کوئی دیکھنے اور پوچھنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ جس آنکھوں سے وہ دیکھ رہا ہے وہ ہم نے بنائی ہیں اور جس زبان وہونٹ سے ڈینگیں مارتا ہے وہ بھی ہم نے پیدا کیے ہیں۔

② اہل علم کی ایک جماعت نے ’’النَّجْدَيْنِ‘‘ سے مراد ماں کی دونوں چھاتیاں لی ہیں۔ یعنی بچہ اپنی ماں کو آنکھوں سے دیکھتے ہی اس کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے اور ہونٹوں وزبان کے ساتھ دودھ چوستا ہے جس پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ راہنمائی نہ کرتا تو بچے کی زندگی محال تھی۔ جس ذات نے پیدائش سے لے کر وفات تک بہترین زندگی گزارنے کی راہنمائی فطرت میں رکھ دی ہے جو اس فطرت کو مسخ کر کے گمراہی کی طرف جانے والے کو اپنا انجام سوچ لینا چاہیے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾

’’اِقْتَحَمَ‘‘ کا معنی ہے کسی چیز میں زبردستی گھس جانا یا مشکل گھاٹی کو عبور کا خطرہ مول لے لینا۔ (القاموس)

اور ’’اَلْعَقَبَةُ‘‘ سے مراد پہاڑ کی سخت گھاٹی یا پہاڑ کی سخت چٹان۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان کسی گھاٹی میں گھس کر محفوظ ہو جاتا ہے یا کسی بلند پہاڑ کی چٹان پر چڑھ کر اپنا بچاؤ کر لیتا ہے، اسی طرح نفسانی خواہشات اور شیطانی حملوں سے بچاؤ کے لیے شریعت کی بتلائی ہوئی گھاٹیوں میں گھس کر اور اخلاق حسنہ کی بلندی پر چڑھ کر خواہشات اور گناہوں کی لذتوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مال کی نعمت عطا فرمائی ہے اس کا تقاضا یہ نہ تھا کہ اسے ناحق جگہوں پر اڑاتا پھرتا بلکہ وہ بلندیاں جو سخت محنت وکاوش سے حاصل ہوتی ہیں انہیں سر کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے لیے مشکل گھاٹی میں بھی بے دریغ گھس جاتا۔ مشکل گھاٹی اس لیے فرمایا کہ نفس کو ان کاموں کا سرانجام دینا دشوار ہوتا ہے۔

وَمَا أَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ استفہام کے انداز میں متوجہ کرکے فرمایا کہ کیا آپ کو معلوم بھی ہے کہ ’’عَقَبَة‘‘ کیا ہے؟ جس کو عبور کرنے کا انسان کو کہا جا رہا ہے۔ ان میں سے چند کام مندرجہ ذیل ہیں:

فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾

ان کاموں میں سے پہلا کام گردن کو آزاد کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی ذلت غلامی ہے اور آزادی دلانا بہت عمدہ ترین حسن سلوک ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ (بخاری، حدیث: 2517)

’’جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر عضو کے عوض میں آگ سے آزاد کر دیتے ہیں۔‘‘

عصرِ حاضر میں اس کی ایک صورت جیل میں ناحق قید وبند ہونے والے سے تعاون کرنا یا کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلانا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ، أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ (مسلم، حدیث: 3006)

’’جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے اس کا قرض ہی معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا۔‘‘

أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾

مشکل گھاٹیوں میں سے جسے عبور کرکے کامیابیوں کی راہ اختیار کی جا سکتی ہے ان میں سے بھوک وقحط کے ایام میں کسی محتاج کو کھانا کھلا دینا ہے۔ خصوصاً یتیم کو کھانا کھلانا جس کے سر سے باپ کی شفقت کا سایہ اُٹھ گیا ہے، اگر وہ رشتہ دار ہے تو اس کی خبر گیری کرنا مزید اجر کا باعث ہے۔ اور اسی طرح مسکین آدمی جو دِن رات محنت ومشقت کرکے مٹی میں ملا ہوا ہو اور پھر بھی گزرانِ زندگی میں کشادگی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَالصَّدَقَةُ عَلَى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ، وَصِلَةٌ

’’کسی مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور

صلہ رحمی بھی۔'' (مسند احمد: 17891، جامع ترمذی: 658، ابن ماجہ: 1844)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾

دنیا و آخرت کی بلندیاں حاصل کرنا ہی کافی نہیں کہ چند افراد کو آزادی دلا دے اور یتیموں و مسکینوں کو کھانا کھلا دے، بلکہ ان کاموں سے پہلے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ایمان نہیں تو کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا (الإسراء: 19)

''اور جو شخص آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے بھر پور کوشش بھی کرے اور وہ ایمان والا بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش قابل قدر ہوگی۔''

(ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اپنے ذاتی ایمان لانے کے بعد اپنے آپ کو دیگر اہل ایمان کے ساتھ شامل کر لینے کی تلقین ہے۔ تاکہ ایک علاقے کے تمام اہل ایمان مل کر ایسا معاشرہ تشکیل دیں جہاں ایمان کے بعد حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھا جائے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ معاشرے کے کمزور افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑے کرنے کی پوری کوشش ہو۔ یقیناً ایسا کام کرنے کے لیے دل گردے کا کام ہے اس لیے خود بھی صبر و استقامت اختیار کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنا نیز رحم و نرمی کو دامن گیر کرنا بہت ضروری ہے۔

أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾

خالص ایمان کے بعد مذکورہ افعال کو اخلاص سے ادا کرنے والے یقیناً خوش بخت اور کامیاب لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کی شناختی علامت یہ ہوگی کہ نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور پورے میدان حشر میں مبارک حاصل کر رہے ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

لیکن وہ لوگ جو دنیا کی زیب و زینت میں مست رہے اور اللہ و آخرت تک کا انکار کرتے رہے اور معاشرہ کے کمزور افراد کا تعاون کرنے کی بجائے ان کے منہ سے لقمہ تک نکال لیتے تھے ان کا انجام انتہائی قبیح ہوگا۔ ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تاکہ پورے میدان حشر میں ذلت و رسوائی ہو، پھر آخر کار چاروں اطراف سے بند آگ میں ٹھونس دیئے جائیں گے۔

تعارف

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

سورت کا تعارف

① اس سورت کا نام پہلی آیت کے لفظ ''الشَّمْسُ'' سے لیا گیا ہے۔ یہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے اسے ''مکی'' سورت کہا جاتا ہے۔

② اس سورت میں ایک رکوع، 15 آیات، 56 کلمات، اور 254 حروف ہیں۔

③ قرآنی ترتیب میں اس سورت کا نمبر 91 اور نزول نمبر 26 ہے۔

④ **ربط:** گزشتہ ''سورۃ البلد'' میں خیر و شر کے راستوں کی راہنمائی کا ذکر تھا تو اس سورت میں بھی فجور اور تقویٰ پر راہنمائی دل میں القاء کر دینے کا ذکر ہے

گزشتہ سورت میں خیر اور شر پر راہنمائی کے لیے آفتاب نبوت کا مکہ میں اترنے کا ذکر تھا تو اس سورت میں خیر و شر کی راہنمائی کے لیے شمس و قمر کا ذکر کیا۔

گزشتہ سورت میں دائیں اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال والوں کا ذکر تھا تو اس سورت میں تزکیۂ نفس کر کے کامیاب ہونے والے اور تزکیہ نہ کرنے والے ناکام ہونے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

⑤ **خلاصۂ سورت:** اس سورت میں قسمیں کھا کر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح عالم اکبر (کائنات) کو اللہ تعالیٰ نے اضداد کی مذم گاہ بنایا ہے اور ہر ایک اپنے دائرہ اور مدار میں گردش کر رہا ہے، اسی طرح عالم اصغر (انسان) کو بھی خیر و شر اور فجور و تقویٰ کا مرکب بنایا ہے۔ اور دونوں کا انجام بھی بتلا دیا ہے۔ اگر خیر و تقویٰ کو غالب رکھے گا تو مقصد حیات کو پا لے گا۔ اگر شر و فجور کو غلب کرے گا تو طغیانی و فساد ہوگا جس کا انجام وہی ہوگا جو قوم ثمود کا ہوا تھا۔

آیات کا لفظی و با محاورہ ترجمہ

اٰيَاتُهَا ١٥ | ٩١ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ٢٦ | رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ	وَضُحٰهَا ①	وَالْقَمَرِ	إِذَا	تَلٰهَا ②	وَالنَّهَارِ	إِذَا	جَلّٰهَا ③	وَالَّيْلِ	إِذَا	يَغْشٰهَا ④
قسم ہے سورج کی	اور اس کی دھوپ کی	اور چاند کی	جب	وہ پیچھے آتا ہے اس (سورج) کے	اور دن کی	جب	وہ نمایاں کرتا ہے اس (سورج) کو	اور رات کی	جب	وہ ڈھانپ لیتا ہے اسے

سورج اور اس کی دھوپ کی قسم اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے۔ اور دن کی قسم جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لے

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝٦ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝٧ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

اور آسمان کی	اور اس ذات کی	جس نے بنایا اس کو	اور زمین کی	اور اس ذات کی	جس نے بچھایا اس کو	اور نفس کی	اور اس ذات کی	جس نے ہموار کیا اسے	پھر الہام کی اس پر	اس کی بدکرداری

اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا اور نفس (انسانی) کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری

وَتَقْوٰىهَا ۝٨ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝١١

اور اس کی پرہیزگاری	یقیناً فلاح پا گیا	وہ جس نے پاک کیا اس (نفس) کو	اور یقیناً	نامراد ہوا	وہ جس نے آلودہ کیا اسے	جھٹلایا	(قوم) ثمود نے	اپنی سرکشی کی وجہ سے

(کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اسے پاک کرلیا اور بلاشبہ وہ ناکام ونامراد ہوگیا جس نے اسے مٹی میں دبا دیا قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝١٣ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا قف ج ۵

جب کھڑا ہوا	اس (قوم) کا بڑا بدبخت	تو کہا	ان سے	اللہ کے رسول نے	(تم حفاظت کرو) اللہ کی اونٹنی کی	اور اس کو پانی پلانے کی	مگر انہوں نے جھٹلایا اسے	پھر انہوں نے ہلاکت کر دیا اسے

جب ان میں سے سب سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کا خیال رکھو) تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا پس اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝١٤ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝١٥

تو تباہی ڈال دی	ان پر	ان کے رب نے	بوجہ ان کے گناہ کے	پھر برابر کر دیا ان کو	اور نہیں	ڈرتا وہ	اس کے انجام سے

تو ان کے رب نے انہیں ان کے گناہ کی وجہ سے پیس کر ہلاک کر دیا پھر اس بستی کو برابر کر دیا اور وہ اس (سزا) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔

آیات کا لفظی وبامحاورہ ترجمہ

الشَّمْسِ	شمس وقمر، شمسی توانائی، شمسی نظام
الْقَمَرِ	قمری مہینہ، شمس وقمر
النَّهَارِ	نہار منہ، لیل ونہار، نہاری
جَلّٰىهَا	جِلا بخشنا، تجلّی، جلوہ
الَّيْلِ	لیلۃ القدر، قیام اللیل، لیل ونہار
يَغْشٰىهَا	غشی طاری ہونا، غش آنا، غش کھانا، غشی
بَنٰىهَا	بنا، بنابریں، بنائے دعوی، بانی پاکستان، بانیاں
وَنَفْسٍ	نفس، نفوس قدسیہ، نفسا نفسی
سَوّٰىهَا	مساوی، مساوات، مساوی الاضلاع، مستوی، خط استواء
فَاَلْهَمَهَا	الہام، الہامی کتاب، الہامات
فُجُوْرَ	فسق وفجور، فاجر، فجّار، فاسق وفاجر
تَقْوٰىهَا	تقویٰ، متقی وپرہیزگار، متقین
اَفْلَحَ	فلاح، فلاح وبہبود، فلاحی ادارے
زَكّٰىهَا	تزکیہ، تزکیۂ نفس، زکاۃ

خَابَ	خائب وخاسر
كَذَّبَتْ	کذب، کاذب، تکذیب، کذّاب
بِطَغْوٰىهَا	طغیانی، طاغوت، طاغوتی طاقتیں
اَشْقٰىهَا	شقی، شقاوت، شقی القلب
فَقَالَ	قول، اقوال، مقولہ، اقوال زرّیں
رَسُوْلُ	انبیاء ورسل، رسالت، ختم الرسل
سُقْيٰهَا	ساقی، ساقئ کوثر، نماز استسقاء
فَكَذَّبُوْهُ	تکذیب، کذّاب، کذب، کاذب، کاذبین، مسیلمہ کذاب
عَلَيْهِمْ	علی الاعلان، علی وجہ البصیرت، علیحدہ
فَسَوّٰىهَا	مساوات، مساوی، مساوی حقوق
لَا	لامحدود، لاپرواہ، لاجواب، لاعلاج، لامتناہی
يَخَافُ	خوف، خوف وہراس، خوفناک، تخویف، خائف
عُقْبٰهَا	عقب، عقبیٰ، حاکم عقبیٰ، عقبی حصہ، عاقبت

مختصر گرائمر ولغت

تَلٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تُلُوٌّ'' (پیچھے آنا) آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے۔
جَلّٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تَجْلِيَةٌ'' (روشن کرنا) آخر میں ''ھَا'' ضمیر مفعول بہ ہے۔
يَغْشٰىهَا	واحد مذکر غائب، مضارع معلوم، مصدر ''غَشْيٌ'' (ڈھانپ لینا) آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے۔
بَنٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''بِنَاءٌ'' (بنانا) آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے۔
طَحٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''طَحْوٌ'' (پھیلانا، دراز کرنا) آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے۔
سَوّٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تَسْوِيَةٌ'' (برابر کرنا) آخر میں ''ھَا'' ضمیر مفعول بہ ہے۔
فَاَلْهَمَهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''إِلْهَامٌ'' (القا کرنا) شروع میں ''ف'' عاطفہ اور آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے
اَفْلَحَ	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''إِفْلَاحٌ'' (کامیاب ہونا)
زَكّٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تَزْكِيَةٌ'' (پاک کرنا)
خَابَ	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''خَيْبَةٌ'' (ناکام ہونا)
دَسّٰىهَا	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تَدْسِيْسٌ'' (برابر کرنا) آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے۔
كَذَّبَتْ	واحد مؤنث غائب، ماضی معلوم، مصدر ''تَكْذِيْبٌ'' (جھٹلانا)
اِنْۢبَعَثَ	واحد مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''اِنْبِعَاثٌ'' (کھڑا ہونا)
فَعَقَرُوْهَا	جمع مذکر غائب، ماضی معلوم، مصدر ''عَقْرٌ'' (ٹانگ کاٹنا) شروع میں ''ف'' عاطفہ ہے اور آخر میں ''ھَا''، ضمیر مفعول بہ ہے
لَا يَخَافُ	واحد مذکر غائب، مضارع نفی معلوم، مصدر ''خَوْفٌ'' (ڈرنا)

تفسیر وتشریح:

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ جن حقائق کو وہ انسان کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اُن کے لیے آفاق میں سے یا خود انسان کے اپنے وجود میں سے چند چیزیں بطور شہادت کے پیش فرماتا ہے۔ اس اسلوب کے مطابق اس سورت میں گیارہ قسمیں کھا کر کامیاب اور ناکام لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ قسمیں مندرجہ ذیل ہیں:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ①

سورج اور اس کی دھوپ کی قسم! ضُحٰی سے چاشت کا وقت مراد ہے جس وقت سورج بلند ہو کر اپنی دھوپ سے کائنات کو روشن کر چکا ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ضُحٰی کے وقت رات کے اندھیرے چھٹ کر کائنات روشن ہو چکی ہوتی ہے اور ہر آنکھ والا اپنی بصارت سے مفید اور غیر مفید میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کا سورج طلوع ہونے کے بعد باطل اور کفر کے تمام اندھیرے چھٹ چکے ہیں اور حق کی بصیرت رکھنے والا توحید وشرک میں، ایمان وکفر میں اور حق وباطل میں فرق کر سکتا ہے۔

جس طرح سورج، زمین سے 9 کروڑ 30 لاکھ میل دور ہونے کے باوجود تمام دنیا کو روشن کر رہا ہے اسی طرح حجاز سے طلوع ہونے والا آفتاب بھی کل کائنات کو راہِ ہدایت دکھلا رہا ہے۔ اگر سورج کی روشنی چمگادڑ کو موافق نہ آئے تو اس میں سورج کا کوئی قصور نہیں، اسی طرح آفتاب ہدایت کی روشنی بدفطرت لوگوں کو موافق نہ آئے تو اس میں ہدایت اور ھادی برحق کا کوئی قصور نہیں ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ②

چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے! یعنی سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند کی روشنی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سورج اور چاند دونوں کی روشنی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور وقت بھی مختلف ہے لیکن ہر ایک بے شمار فوائد کی حامل ہیں۔ اسی طرح اسلام کی تعلیمات اوامر اور نواھی کے اعتبار سے، حلال وحرام کے اعتبار سے، نرمی وسختی کے اعتبار سے مختلف ہیں لیکن ہر ایک بے پناہ فوائد کی حامل ہیں۔ جن کے اثرات مختلف طبیعتوں پر مختلف ہوتے ہیں۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④

اور دن کی قسم جب وہ سورج کو خوب روشن کر دے! حقیقت میں سورج، دِن کو روشن کرتا ہے نہ کہ دن سورج کو۔ چونکہ سورج کی روشنی دن کے وقت مکمل اور شدت کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اسناد مجازی کرتے ہوئے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ یا آئندہ آیت کی مناسبت سے اس طرح کہا گیا ہے کیونکہ اگلی آیت (وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④) میں رات کو سورج کی کرنیں ڈھانپنے والی کہا گیا ہے تو دن کو سورج کی شعاعیں روشن کرنے والا کہا گیا ہے۔ جیسے رات روشنی کو ڈھانپنے کا سبب ہے، اسی طرح دِن روشنی کو ظاہر کرنے کا سبب ہے۔

''ھَا'' ضمیر سے مراد راجح قول کے مطابق ''الشَّمْسُ'' (سورج) ہے۔ اگرچہ بعض نے اس سے مراد ''الظُّلْمَةُ'' (اندھیرا) یا ''الْاَرْضُ'' (زمین) لیا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ⑤

آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم! اس آیت اور بعد والی آیات میں ''مَا'' دو معنوں کے لیے ہو سکتا ہے۔

① ''مَا'' موصول ہو تو یہ مَنْ (ذات) کے معنی میں ہوگا۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ''مَا'' اگرچہ عام طور پر غیر ذوِالعقول کے لیے آتا ہے اور ''مَنْ'' ذوِالعقول (اللہ تعالیٰ کی ذات، فرشتے، انسان اور جنات وغیرہ) کے لیے آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں، جیسے

{فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ} [النساء: 3]

''عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔''

اس جگہ بھی ''مَا'' بمعنی ''مَنْ'' استعمال ہوا ہے۔

② مَا مصدریہ ہو تو بعد والے جملے کو مصدر کے معنی میں کر دے گا۔ اس وقت معنی ہوگا: قسم ہے آسمان کی اور اس کو بنانے کی۔ مطلب یہ ہے کہ جس ذات نے آسمان جیسی حیران کن چھت بنادی جس کی اونچائی اور لمبائی کی کوئی حد نہیں ہے اور صدیوں سے آسمان کھڑا ہے اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ تو ایسی ذات کے احکام سے روگردانی کرنے والے کیسے بچ سکیں گے۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ⑥